نصابِ زکوٰۃ۔ تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب
اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

نصاب کی تعریف:

"القدر الذی تجب فیه الزکاۃ اذا بلغه نحو مائتی درهم، خمس من الابل"(۱)
زکوٰۃ کا نصاب مال کی اُس خاص مقدار کو کہا جاتا ہے جس پر شریعت نے زکوٰۃ فرض کی ہے اور جس مقدار سے کم مال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی مثلاً اونٹ کے لئے پانچ، بکری کے لئے چالیس اور گائے بھینس کے لئے تیس کا عدد، چاندی کے لئے دو سو درہم اور سونے کے لئے بیس مثقال۔

نصاب کی تعریف کرتے ہوئے علامہ سعدی لکھتے ہیں" **القدر الذی اذا بلغه المال وجبت الزکاۃ.**"(۲)

نصاب کی قسمیں:

نصاب کی دو قسم ہیں:

(الف) نامی یعنی بڑھنے والا مال (ب) غیر نامی یعنی نہ بڑھنے والا مال

مال نامی کی بھی دو قسمیں ہیں:

(الف) حقیقی اس کا اطلاق تو تجارت کے مال اور جانور پر ہوتا ہے کیونکہ تجارت کا مال نفع سے بڑھتا ہے اور جانور بچوں کی پیدائش سے بڑھتے ہیں۔

(ب) تقدیری اس کا اطلاق سونے اور چاندی پر ہوتا ہے۔ یہ چیزیں بظاہر تو نہیں بڑھتیں لیکن بڑھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

نصاب غیر نامی کا اطلاق مکانات اور خانہ داری کے اُن اسباب پر ہوتا ہے جو ضرورت اصلیہ کے علاوہ ہوں۔

نصاب نامی اور غیر نامی میں فرق:

نصاب نامی اور غیر نامی کے درمیان فرق یہ ہے کہ نصاب نامی کے مالک پر تو زکوٰۃ فرض

ہوتی ہے نیز اس کے لئے صدقہ فطر دینا اور قربانی کرنا واجب ہوتا ہے۔"نصابِ غیر نامی" کے مالک پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی مگر اس کے لئے بھی زکوٰۃ، نذر اور صدقہ واجبہ کا مال لینا درست نہیں ہوتا۔ نیز اُس پر بھی صدقہ فطر دینا اور قربانی کرنا واجب ہوتا ہے۔(۳)

مشترک نصاب:

وہ اموال اور سوائم جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اگر انفرادی ملکیت کے بجائے اجتماعی و مشترک ملکیت ہو تو اس کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ شرکت کی حالت میں بھی وہی ضروری شرائط ہیں جو انفرادی حالت کے لئے ہیں۔ یعنی ہر شریک کا نصاب کامل ہو چنانچہ اگر ہر شریک کا حصہ نصاب کے بقدر ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

حضرات شوافع کا مسلک یہ ہے کہ اگر مویشوں کے چرانے کے اسباب متحد ہوں کہ دونوں کا چرواہا، چراگاہ، پانی پینے کی گھاٹ اور باڑہ ایک ہی ہو اور دونوں میں وجوب زکوٰۃ کی اہلیت ہے تو ان دونوں کا مال ایک ہی سمجھا جائے گا اور ان دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر چہ وہ دونوں اگر منفرد ہوتے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوتی۔(۴)

امام شافعی درج ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

عن انس بن مالک ان ابابکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "کتب لھم ... ولایجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع خشیة الصدقة و ماکان بین خلیطین فانھما یتراجعان بالسویة."(۵)

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے انہیں زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بحرین بھیجا تو انہیں ایک ہدایت نامہ لکھ دیا جس میں آپ نے لکھا تھا: کہ زکوٰۃ کے خوف سے متفرق کو جمع نہ کیا جائے اور نہ مجتمع میں تفریق کی جائے۔ اور جو چیز دو شریکوں میں مشترک ہو تو وہ دونوں باہم برابر برابر رجوع کرلیں۔

امام شافعیؒ کا کہنا یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے جمع وتفریق کا اعتبار کیا ہے کہ آپ نے متفرق نصاب کو جمع کرنے اور مجتمع نصاب کو جدا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور اگر جمع (شرکت) کی حالت کو انفرادی حالت پر قیاس کیا جائے اور ہر شریک کے لئے پورے نصاب کی شرط لگائی جائے تو جمع (شرکت) کا مفہوم باطل ہو جائے گا اور مجتمع کو جدا کرنا لازم آئے گا۔

احناف درج ذیل روایت سے استدلال کرتے ہیں:

"ليس في سائمة المسلم اذا كانت اقل من اربعين صدقة."(٦)

یعنی مسلمان کی سائمہ بکریوں میں جب تک چالیس سے کم ہوں زکوٰۃ واجب نہیں۔

احناف کا کہنا ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے کہ اس میں شرکت اور انفرادی حالت کو کوئی قید نہیں، لہذا شریک ومنفرد ہرایک کے لئے پورا نصاب زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لئے شرط ہے۔

حضرات شوافع کی جانب سے پیش کی جانے والی مذکورہ حدیث کا جواب احناف یہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان "ولا يجمع بين متفرق" بھی ہماری دلیل بن رہا ہے۔ کیونکہ اس سے مراد تفرق ملکیت ہے نہ کہ تفرق مکان، کیونکہ ہم سب کا اجماع ہے کہ اگر ایک نصاب دو مکانوں میں ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ لہذا اس سے مراد تفرق ملکیت ہے۔ اور حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے کہ اگر دو آدمیوں کی ملکیت جدا جدا ہے تو زکوٰۃ کی وجہ سے اُسے جمع نہ کیا جائے اور یوں نہ سمجھا جائے کہ گویا ایک ہی ہیں۔

مثلاً دو آدمیوں میں پانچ اونٹ، تیس گائے یا چالیس بکریاں مشترک ہیں اور ان پر سال پورا ہو چکا ہے اور زکوٰۃ وصول کرنے والا یہ چاہتا ہے کہ اس مال سے زکوٰۃ وصول کرلے بایں طور کہ دونوں کی ملکیت کو جمع کرے اور اسے ایک ہی مال شمار کرے تو اُسے یہ اختیار نہیں۔

یا مثلاً دو آدمیوں میں اسی بکریاں مشترک ہیں اور ان کا سال پورا ہو چکا ہے تو ہر شریک پر ایک بکری واجب ہوتی ہے۔ اب زکوٰۃ کے خوف سے دونوں چاہتے ہیں کہ اپنی ملکیت کو جمع کرلیں اور یوں سمجھیں کہ گویا ایک ہی ملکیت ہے، تاکہ زکوٰۃ وصول کرنے والے مُصدّق کو ایک ہی بکری دینا پڑے تو انہیں یہ اختیار حاصل نہیں کیونکہ ان کی ملکیت متفرق ہے لہذا زکوٰۃ کی وجہ سے جمع کرنے کے مجاز نہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد "ولا يجمع بين متفرق" میں بھی اجتماع ملکیت مراد ہے۔ مثلاً ایک شخص کی دو مختلف چراگاہوں میں اسی بکریاں ہیں اور اس صورت میں اس پر ایک بکری واجب ہوتی ہے اب اگر مُصدق یہ چاہتا ہے کہ اس مجتمع ملکیت کو دو چراگاہوں کی وجہ جدا جدا کردے اور انہیں دوالگ الگ نصاب شمار کرے تو مُصدّق کو یہ اختیار حاصل نہیں، کیونکہ ملکیت مجتمع ہے لہذا مصدق تفریق کرنے کا مجاز نہیں۔

اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ:

عہدرسالت اور حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کے ادوار میں ہر قسم کے اموال کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کی جاتی تھی (۷)۔ اس مبارک زمانہ میں اموال ظاہرہ اور باطنہ کی کوئی تفریق نہ تھی۔ جب حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں زکوٰۃ کے قابل اموال کی کثرت ہوگئی اور اسلامی فتوحات دور

دراز تک پھیل گئیں تو حضرت عثمان غنیؓ نے محسوس کیا کہ اگر ہر قسم کے اموال کی زکوٰۃ سرکاری طور پر وصول کی گئی تو لوگوں کے پرائیویٹ مکانات، دکانوں اور گوداموں کی تلاشی لینی ہوگی اور ان کے املاک کی چھان بین کرنی پڑے گی جس سے لوگوں کو تکلیف ہوگی اور ان کے محفوظ شخصی مقامات کی نجی حیثیت مجروح ہوگی جس سے فتنے پیدا ہوں گے اس لئے حضرت عثمان غنیؓ نے یہ تفریق فرمادی کہ حکومت صرف اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرے گی اور اموال باطنہ کی زکوٰۃ مالکان خود ادا کریں۔

حکومت صرف اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرے گی اس لئے کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرنے میں نہ مذکورہ مضرت و پریشانی لاحق ہوتی ہے اور نہ حساب کتاب کرنے کے لئے گھروں اور دکانوں کی تلاشی لینی پڑتی ہے۔ حضرت عثمان کے اس فیصلہ کی تفصیلات مفسر قرآن امام ابو بکر جصاصؒ اور معروف حنفی فقیہ علامہ کاسانیؒ نے بیان فرمائی ہیں۔(۸)

حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں اموال ظاہرہ میں مویشی اور زرعی پیداوار کو شامل کیا گیا اور باقی بیشتر اموال نقدی سونا چاندی اور دیگر سامان تجارت کو اموال باطنہ قرار دیا گیا۔

بعد میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور خلافت آیا تو انہوں نے اُس مال تجارت کو بھی اموال ظاہرہ کے حکم میں شمار فرمایا جو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جایا جارہا ہو۔ کیونکہ حکومت کو اس کی زکوٰۃ وصول کرنے اور اس کا حساب کرنے کے لئے مالکان کے گھروں، دکانوں اور نجی مقامات کی تلاشی لینے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ چنانچہ شہر کے ناکوں پر ایسی چوکیاں مقرر کردی گئی تھیں جو ایسے مال تجارت کی زکوٰۃ موقع پر ہی وصول کرلیں اور اسی کو فقہاء نے ''من یمرُّ علی العاشر'' سے تعبیر فرمایا۔(۹)

عصر حاضر اور اموال ظاہرہ:

موجودہ دور میں یہ ایک جدید مسئلہ درپیش ہے کہ کن کن اموال پر اموال ظاہرہ کا اطلاق کیا جا سکتا ہے جن سے حکومتی سطح پر زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے؟

زرعی پیداوار اور مویشیوں کا معاملہ تو واضح ہے کہ وہ اموال ظاہرہ میں سے ہیں لیکن اس دور میں بہت سے اموال ایسے ہیں جن کو اموال ظاہرہ قرار دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً بینکوں یا دوسرے مالیاتی اداروں میں رکھی ہوئی رقوم جن سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے گھروں کی تلاشی لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ نقود کو تو فقہائے کرام نے اموال باطنہ میں شمار کیا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

''ومن مر علیٰ عاشر بمائة درهم واخبره ان له فی منزله مائة اخریٰ قد حال علیها الحول لم یزکٰ التی مر بها لقلته و ما فی بیته لم یدخل تحت حمایته الخ.''(۱۰)

یعنی اگر ایک شخص کے پاس سو درہم ہیں اور وہ عاشر کے پاس سے گذرا اور عاشر کو اُس نے آگاہ کیا کہ میرے گھر میں ان کے علاوہ بھی سو درہم موجود ہیں اور ان پر سال گذر چکا ہے تو عاشر ان سو درہم کی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا جو وہ ساتھ لے کر جا رہا ہے کیونکہ وہ نصاب سے کم ہیں اور درہم اُس کے گھر میں ہیں وہ عاشر کے تصرف میں نہیں آتے۔ کیونکہ یہ ایسا مال ہے جس کی زکوٰۃ دینے کا مالک خود مجاز ہے بخلاف مویشیوں کے اگر عاشر کے پاس سے گذرنے والے شخص کے پاس مقدار سے کم مویشی ہوں اور بقیہ گھر پر موجود ہوں تو عاشر زکوٰۃ وصول کر لے گا۔

ہدایہ کی اس عبارت سے جہاں نقد روپے کے اموال باطنہ میں سے ہونے کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نقد روپیہ وغیرہ اس وقت تک اموال باطنہ رہتے ہیں دجب تک وہ پوشیدہ نجی مقامات پر مالکان کے زیر حفاظت ہوں۔

چنانچہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ نقود سے فقہائے کرام کی مراد وہ نقود ہیں جن کا حساب کرنے کے لئے لوگوں کے مکانات وغیرہ کی تلاشی لینی پڑے، مطلق نقود مراد نہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ خلفائے راشدین سے لے کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور تک تمام خلفاء کے بارے میں یہ ثبوت موجود ہے کہ وہ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں اور دوسرے باشندوں کو دئے جانے والے وظائف سے ادائیگی کے وقت ہی زکوٰۃ کاٹ لیا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے بارے میں آتا ہے:

''وکان ابو بکر الصدیقؓ إذا أعطی الناس عطِیَاتِهم یسأل الرجل هل عندکٰ من مال وجبت علیکٰ فیه الزکوٰة؟ فان قال: نعم، اخذ من عطائه زکوة ذلکٰ المال وان قال لا،أسلم الیه عطائَه ولم یاخذ منه شیئاً.''(۱۱)

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ جب لوگوں کو وظائف دینے لگتے تو اُن سے پوچھ لیتے تھے کہ کیا اُن کے پاس ایسا مال تو نہیں جس پر زکوٰۃ واجب ہو اگر کوئی شخص ہاں میں جواب دیتا تو اُس کے وظیفہ سے زکوٰۃ منہا کر لیتے ورنہ وظیفہ کی پوری رقم دے

دیتے اور اُس میں سے کچھ میں منہانہ فرماتے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مصنف ابن ابی شیبہ میں اسی قسم کا معاملہ مذکور ہے:

''عن عبدالرحمن بن عبد القاری وکان علیٰ بیت المال فی زمن عمرؓ مع عبید اللہ بن الارقم فاذا خرج العطاء جمع عمرؓ اموال التجارۃ فحسب عاجلھا و آجلھا ثم یاخذ الزکوٰۃ من الشاھد و الغائب.''(۱۲)

حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے بارے میں ممکن ہے یہ کہا جائے کہ ان کے دور میں اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی کوئی تفریق نہ تھی اس لئے وہ ہر قسم کے اموال سے زکوٰۃ وصول فرماتے تھے۔لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جنہوں نے یہ تفریق قائم فرمائی تھی اور نقود کو اموال باطنہ قرار دے کر ان کی زکوٰۃ سرکاری طور پر وصول کرنی چھوڑ دی تھی خود اُن کے بارے میں مؤطا میں ہے:

عن عائشه بنت قدامة، عن ابیها ، أنه قال: "کنت اذا جئت عثمان بن عفّان لِأقبض عطائی ، سألنی : هل عند ک من مال وجبت علیک فیه الزکوٰة ؟ قال فإن قلت : نعم ، أخذ من عطائی زکاة ذٰلک المال و ان قلت :لا ، دفع إلیّ عطائی. ''(۱۳)

حضرت عائشہ بنت قدامہ اپنے والد سے روایت کرتی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت عثمان غنی کے پاس اپنا وظیفہ لینے کے لئے حاضر ہوتا تو آپ مجھ سے یہ پوچھتے کیا تمہارے پاس ایسا مال موجود ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے؟ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو آپ میرے وظیفہ سے زکوٰۃ منہا کر لیتے تھے اور اگر میں کہتا نہیں تو آپ مجھے پورا وظیفہ دے دیتے۔

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں مصنف ابن ابی شیبہ میں مروی ہے:

''کان ا بن مسعود یز کی عطیاتهم من کل الف خمسة و عشرین. ''(۱۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کی تنخواہوں کی زکوٰۃ اس حساب سے وصول فرمایا کرتے تھے کہ ہر ہزار پر پچیس وصول کر لیتے تھے۔

مصنف عبدالرزاق کی روایت کے مطابق اس دور کے تمام امراء کا بھی یہی معمول تھا۔(۱۵)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ خلافت میں اگر چہ اموال ظاہرہ و باطنہ کی تفریق قائم ہو

چکی تھی لیکن ان کے بارے میں مروی ہے:

عن جعفر بن برقان "إن عمر بن عبد العزيز كان اذا اعطى الرجل عطائه او عمالته اخذ منه الزكوٰة." (١٦)

جعفر بن برقان فرماتے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جب لوگوں کو انعام یا تنخواہیں دیتے تو اُن سے زکوٰۃ وصول کر لیتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

عن عمر بن عبد العزيز: "كا ن يزكى العطاء و الجائزة." (١٧)

یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز تنخواہوں اور انعامات سے زکوٰۃ وصول کر لیتے تھے۔

ان تمام روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جن نقود پر حکومت کو تلاشی کے بغیر اطلاع ہونا ممکن ہو وہ اموال باطنہ میں شامل نہیں ہیں بلکہ ان سے حکومت زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے۔

نابالغ کے مال کی زکوٰۃ:

امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ نابالغ کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے، جبکہ امام ابوحنیفہؒ، حضرت سفیان ثوریؒ، اور عبداللہ بن المبارکؒ کے نزدیک نابالغ کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں چنانچہ مؤطا میں ہے:

"وأما ما كان من حلى ذهب او فضة ففيه الزكوٰة إلا أن يكون ذلك ليتيم او يتيمة لم يبلغا فلاتكون فى مالها زكوٰة و هو قول ابى حنيفة." (١٨)

ائمہ ثلاثہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

عن عمر و بن شعيب عن ابيه عن جدّهٖ ان النبى ﷺ خطب الناس فقال: "ألا من ولى يتيماً (١٩) له مال فليتجر و لا يتركه حتى تأكله الصدقة." (٢٠)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے جدّ محترم سے روایت کرتے ہیں: کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا: یاد رکھو تم میں سے جو شخص بھی کسی یتیم کا سرپرست بنے اور اُس یتیم کا مال موجود ہو تو اُسے تجارت میں لگائے کہیں ایسا نہ ہو کہ زکوٰۃ کی وجہ سے اُس کا مال ہی ختم ہو جائے۔

اس کے علاوہ آئمہ ثلاثہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اثر سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ

حضرت عائشہؓ اپنے اُن یتیم بھتیجوں جو اُن کی زیر کفالت تھے کے مال کی زکوٰۃ ادا کرتی تھیں:

"عن عبدالرحمن بن القاسم عن أبیه انه قال:"کانت عائشة تلینی أناوأخالی یتیمین فی حجرهافکانت تخرج من اموالناالزکوٰة. (۲۱)"

امام ابو حنیفہؒ وغیرہم سنن ابوداؤد اور سنن نسائی میں موجود معروف حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے صراحتہً نابالغ کو غیر مکلف قرار دے دیا، لہذا اُس پر نماز وغیرہ دوسرے واجبات کی طرح زکوٰۃ بھی واجب نہ ہوگی۔

عن عائشة عن النبی ﷺ قال:"رفع القلم عن ثلاث، عن النائم حتیٰ یستیقظ وعن الصغیر حتی یکبر و عن المجنون حتی یعقل او یفیق."(۲۲)

نیز یہ حضرات عبداللہ بن مسعودؓ کے اثر سے بھی استدلال کرتے ہیں:

"لیس فی مال الیتیم زکوٰة."(۲۳)

زکوٰۃ کی ادائیگی کا مطالبہ کون کرسکتا ہے؟

زکوٰۃ کی ادائیگی کا مطالبہ کرنے کا حق کسے حاصل ہے؟ اس بارے میں چند باتیں جاننا ضروری ہے۔

۱- زکوٰۃ لینے کا اختیار کسے حاصل ہے؟

۲- زکوٰۃ لینے والے کے لئے کیا شرائط ہیں؟

گذشتہ صفحات پر وضاحت کی جاچکی ہے زکوٰۃ اموال کی دو قسمیں ہیں:

اموال ظاہرہ: یعنی مویشی اور وہ مال تجارت جو تاجر کے پاس ہو اور اُس کا گذر عاشر کے پاس سے ہو۔

اموال باطنہ: اموال باطنہ میں سونا، چاندی، کرنسی اور وہ اموال تجارت آتے ہیں جو لوگوں نے اپنے گھروں یا دکانوں پر رکھے ہوں۔

اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ لینے کا اختیار سربراہ ریاست اور اس کے نائبین کو ہے۔ امام کے نائبین کے لئے حدیث، تفسیر، فقہ اور تاریخ کی کتابوں میں مختلف اصطلاحات کا ذکر ملتا ہے مثلاً "مُصدّقین"، "ساعی"، "جابی" اور مُحصّل، سعاۃ اور عُشار وغیرہ۔

اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ لینے کا اختیار سربراہ ریاست یعنی امام المسلمین کو حاصل ہے اُس کا

ثبوت قرآن، سنت اور اجماع سے ہے۔

قرآن:

﴿خذ من اموالھم صدقة تطھرھم و تزکیھم بھا و صل علیھم.﴾ (۲۴)

یہ آیت زکوٰۃ کے بارے میں نازل ہوئی اور اکثر مفسرین اسی پر متفق ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہو کہ امام المسلمین کو زکوٰۃ کا مطالبہ کرنے اور زکوٰۃ لینے کا حق حاصل ہے۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إنما الصدقاتُ للفقرآء والمساکین والعٰملین علیھا.﴾ (۲۵)

صدقات، فقرا، مساکین اور صدقات کی وصولی کا کام کرنے والوں کے لئے ہیں۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے امام المسلمین کو زکوٰۃ کی وصولی کا اختیار دیا ہے اور تشفی بخش وضاحت فرمادی کیونکہ صدقات میں عاملین کا حق مقرر فرمایا۔ اگر امام المسلمین کو ارباب اموال سے مویشیوں کے ٹھکانوں میں ان کی زکوٰۃ کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہ ہوتا، اور ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی ارباب اموال کے سپرد ہوتی تو ان مصارفِ صدقات میں عاملین کا ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ (۲۶)

سنت اور اجماع سے ثبوت:

سنت اور اجماع سے ثبوت کی دلیل یہ ہے رسول اللہ نے قبائل عرب، شہروں اور دور دراز علاقوں میں مویشیوں کے ٹھکانوں پر ان کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مصدّقین کو روانہ فرمایا۔ اور آپ کے بعد آپ خلفائے راشدین حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی معمول رہا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب بعض قبائل نے یہ کہا کہ وہ زکوٰۃ بیت المال میں داخل نہیں کریں گے بلکہ بطور خود اس کو صرف کریں گے تو شریعت محمدیہ کے شناسائے راز نے ان کی اس تجویز کو قبول نہ کیا اور بزور طاقت ان کو بیت المال میں زکوٰۃ داخل کرنے کے پر مجبور کیا۔ (۲۷)

نیز یہ بھی فرمایا:

> ''اللہ کی قسم! نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں صدقات وصول کا جو طریقہ رائج رہا اس میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا اور میرا زکوٰۃ وصول کرنے کا طریقہ کار وہی ہوگا جو رسول اکرم ﷺ کیا کرتے تھے۔'' (۲۸)

کن اشیاء پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟

شریعت نے چار قسم کے مالوں پر زکوٰۃ فرض کی ہے:

۱- اثمان مطلقہ یعنی سونا چاندی ۲- سائمہ جانور

۳- تجارتی مال ۴- زراعت اور باغات کی آمدنی

اگر چہ فقہاء ''زراعت اور باغات کی آمدنی'' کو ''زکوٰۃ'' کے لفظ سے ذکر نہیں کرتے بلکہ اُسے عشر کہتے ہیں۔ چنانچہ متفقہ طور پر تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چوپایہ جانوروں یعنی اونٹ گائے، بکری، دنبہ، اور بھینس میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ نر ہو یا مادہ۔ ان کے علاوہ اور جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گھوڑوں میں بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تفصیل آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی۔

اسی طرح متفقہ طور پر تمام ائمہ کے نزدیک سونے، چاندی اور تجارت کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے۔

جو چیزیں طویل عرصہ تک قائم نہ رہتی ہوں جیسے سبزیوں اور فروٹ کی مختلف اقسام ان میں احناف کے علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک واجب نہیں ہوتی۔ مذکورہ چاروں اموال کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے مویشیوں اور مال کے بارے میں ایک اہم فرق کو واضح کرتے ہیں۔

مویشیوں اور مال کی زکوٰۃ کا فرق:

فقہائے کرام نے مویشیوں اور زمین کی پیداوار اور اموال زکوٰۃ کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے ایک اہم نکتہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے سلسلے میں فرمایا ﴿ و آتوا الزکوٰۃ ﴾ اور زکوٰۃ ادا کرو اور اس میں امام المسلمین کے طرف سے وصولی کی شرط عائد نہیں کی۔

لیکن صدقات کے بارے میں فرمایا:

''خذ من اموالھم صدقة تطھرھم و تزکیھم بھا وصل علیھم.''(۲۹)

ان کے اموال سے صدقہ وصول کیجئے جس کے ذریعے انہیں پاک کریں۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إنما الصدقاتُ للفقرآء والمساکین والعملین علیھا.﴾(۳۰)

صدقات تو فقرا، مساکین اور صدقات کی وصولی کا کام کرنے والوں کے لئے ہیں۔

ان صدقات کی وصولی پر عامل اور اُس کے کارندوں کا تقرر اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی

وصولی پر امام المسلمین کے حق کا اسقاط کسی طرح جائز نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد ہے:

''اُمِرتُ ان آخذ الصدقة من اغنيائكم و اردها فی فقرآئكم.''(۳۱)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے دولت مندوں سے صدقات وصول کر کے تمہارے فقرآء کے درمیان تقسیم کردوں۔

اللہ تعالیٰ نے صدقات میں وصولی کی شرط عائد کردی لیکن اموال کی زکوٰۃ میں اس شرط کا ذکر نہیں کیا۔

امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں:

جن حضرات نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے ان کے نزدیک اگرچہ زکوٰۃ بھی صدقہ ہے لیکن زکوٰۃ کا نام صدقہ سے خاص ہے اور صدقہ کا نام مویشیوں وغیرہ کی زکوٰۃ کے ساتھ خاص ہے جب اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو ادائیگی کے لفظ کے ساتھ خاص کر دیا اور فرمایا: ﴿ و آتوا الزكوٰة ﴾ اور زکوٰۃ ادا کرو، امام کی طرف سے وصولی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

دوسری طرف صدقہ صدقہ کی وصولی کا حکم امام المسلمین کو دیا تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی ذمہ داری زکوٰۃ ادا کرنے والوں پر عائد کردی جائے۔

البتہ اس بات پر فقہائے سلف کا اتفاق ہے کہ جو مسلمان سامان تجارت وغیرہ لے کہیں سے گزرے گا تو اس سے مقامی حکام دسواں حصہ وصول کرلیں گے۔ جبکہ صدقات کی وصولی کا حق صرف امام المسلمین کو حاصل رہے گا۔(۳۲)

۱- اثمان مطلقہ کا نصاب:

اثمان مطلقہ سے مراد ذہب اور فضہ یعنی سونا اور چاندی ہیں:

چاندی کا نصاب:

اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اور دوسو درہم سات سو (700) گرام کے مساوی ہوتے ہیں۔(۳۳) جب کسی شخص کے پاس دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولے چاندی) نہ ہو اُس وقت تک اُس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور جب دوسو درہم ہو جائیں تو پانچ درہم واجب ہوں گے چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

قال رسول اللہ ﷺ ''قد عفوت عن صدقة الخيل والرقيق فهاتوا

صدقة الرقة من كل اربعين درهماً درهمٌ وليس فی تسعين و مائة شئ فاذا بلغت مائتين ففيها خمسة دراهم.''(۳۴)

سونے کا نصاب:

سونے کا نصاب بیس مثقال یعنی بیس دینار ہے۔اور بیس مثقال ہو جائے اور اُس پر سال گزر جائے تو نصف دینار یعنی چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ کے ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

امام مالکؒ کا ارشاد ہے:

''السنة التی لا اختلاف فيها عندنا أن الزكاة تجب فی عشرين ديناراً كما تجب فی مائتی درهم.''(۳۵)

وہ سنت جس میں ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں وہ یہ ہے کہ بیس دینار پر زکوٰۃ اسی طرح واجب ہوتی ہے جس طرح دوسو درہم پر واجب ہوتی ہے۔

ہمارے مروجہ اوزان کے لحاظ سے ایک مثقال چار ماشہ اور چار رتی کا ہوتا ہے۔(۳۶) اس لحاظ سے بیس مثقال ساڑھے سات تولے کے ہم وزن جو کہ تقریباً 91.23 گرام کے برابر ہوں گے۔(۳۷) جب سونے کی مقدار بیس مثقال ہو جائے گی تو اس میں نصف مثقال زکوٰۃ واجب ہوگی۔(۳۸)

حضرت علیؓ سے مروی ہے:

عن علیؓ : أن النبی ﷺ قال: ''ليس عليک شئ يعنی فی الذهب حتیٰ يكون لک عشرون ديناراً ، فاذا كانت لک عشرون ديناراً وحال عليه الحول فيهانصف دينار فمازاد فبحساب ذلک ، وليس فی مال زكوةٌ حتیٰ يحول عليه الحول.''(۳۹)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: جب تک سونا بیس دینار کے برابر نہ ہو جائے اُس وقت اُس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی اور جب بیس دینار ہو جائے اور اُس ایک سال گذر جائے تو اُس پر نصف دینار زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

حضرت عمرو بن حزم سے مروی ہے:

'' والذهب ما لم يبلغ قيمته مائتی درهم فلا صدقة فيه فاذا بلغ قيمته مائتی درهم ففيه ربع العشر.''(۴۰)

سونے کی قیمت جب دوسو درہم نہ ہو جائے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں اور جب

اس کی قیمت دوسو درہم ہو جائے تو اس میں چالیسواں حصہ واجب ہے۔
واضح رہے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک دینار کی قیمت دس درہم ہوتی تھی ایک دینار ایک مثقال کا ہوتا تھا۔(۴۱)

عن ابی ہریرۃ ﷺ یقول قال رسول ﷺ "ما من صاحب ذہب ولا فضة لايؤدی منها حقها إلا إذا كان يوم القيامة صُفِّحَت له صَفَائِحَ من نار فأحمى عليها فى نار جهنم فيكوىٰ بهاجنبُه و جبينُه و ظهرُه ، كلماء بردت أعيدت له فى يوم كان مقدارهٗ خمسين ألف سنة حتى يقضى بين العباد فيرىٰ سبيله إمّا إلىٰ جنة ، وإما إلى نار."(۴۲)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چاندی اور سونے کے مالک نے اگر سونے اور چاندی کی زکوٰۃ نہ دی تو قیامت کے دن اس سونے چاندی کی تختیاں بنائی جائیں گی اور انہیں جہنم کی آگ میں گرم کرنے کے بعد زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کے ماتھے، پہلو اور پیٹھ کو داغا جائے گا اور جب وہ تختیاں ٹھنڈی ہو جائیں گی تو انہیں پھر گرم کیا جائے گا پچاس ہزار سال کے اس دن میں اُس کو یہی عذاب دیا جائے گا یہاں تک حساب و کتاب سے فراغت کے بعد اُس کے جنت یا جہنم میں داخل کئے جانے کا فیصلہ نہ کیا جائے۔

زیورات کی زکوٰۃ:

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں مثلاً یاقوت، زمرد، موتیوں، اور مرجان وغیرہ سے بنے ہوئے زیورات پر زکوٰۃ واجب نہیں۔(۴۳)

البتہ سونے اور چاندی کے زیورات کی زکوٰۃ کے بارہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔
چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ مطلقاً زیور میں زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ وہ نصاب کی حد تک پہنچ جائے اور امام شافعیؒ کا پہلا قول بھی یہی ہے۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ کا آخری قول اور امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ عورتوں کے اُن زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جن کا استعمال مباح ہو اور جن زیورات کا استعمال حرام ہے ان حضرات کے نزدیک بھی ان میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ اپنے مسلک کی تائید میں ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں:

۱- عن زینب امرائة عبد الله قالت : "خطب رسول الله ﷺ فقال یا معشر النسآء تصدّقن و لو من حلیکن فانکن اکثرُ اهل جهنم یو م القیامة." (۴۴)

۲- عن عمر و بن شعیب عن ابیه عن جدّہٖ انّ إمرأتین أتتا رسول اللہﷺ و فی ایدیهما سواران من ذهب فقال لهما: "تؤدیان زکاتهٗ قالتا لا فقال لهما رسول اللہﷺ اتحبّان ان یسورکما الله بسوارین من نار قالتا لا : قال: فأدّیا زکاته."(۴۵)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے جدّ محترم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دوعورتیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت حاضر ہوئیں اوران دونوں عورتوں نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اُن کڑوں کو دیکھ کرفرمایا: کیاتم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ان دونوں خواتین نے جواب دیانہیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیاتم یہ پسند کرتی ہو کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے دوکڑے پہنائے؟ انہوں نے عرض کیانہیں یارسول اللہ ﷺ، تو پھر آپ نے فرمایااس سونے کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔

۳- عن اُمّ سلمة قالت کنتُ البس اوضاحاً من ذهب فقلت یا رسو ل اللہﷺ أکنز هو فقال: "ما بلغ ان تؤدی زکاته فزکّی فلیس بکنز."(۴۶)

اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: کہ میں سونے کا "وضح" (جو ایک زیور کا نام ہے) پہنا کرتی تھی، ایک دن میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! کیااس زیور کا شمار "کنز" میں ہے؟ تو آپ نے فرمایا: چیز اتنی مقدار میں ہواوراس کی زکوٰۃ ادا کی جائے توزکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس کا شمار" جمع "کنز" میں نہیں آتا۔

حضرت اُمّ سلمہؓ کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ قرآن کریم نے "مال جمع کرنے" کے بارہ میں یہ وعید بیان فرمائی ہے کہ:

"والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشر هم بعذاب الیم. یوم یحمیٰ علیها فی نار جهنم فتکویٰ بها جباههم

و جنوبهم وظهورهم هذا ماكنزتم لأنفسكم فذوقوا ما كنتم تكنزون."(۴۷)

جولوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُن کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے کہ اس مال کو جہنم کی آگ میں خوب گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان بخیلوں کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور کہا جائے گا یہ وہی ہے جو تم اپنے لئے جمع کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔

تو کیا سونے کا میرا یہ زیور بھی اس وعید میں داخل ہے جس کا جواب رسول اللہ ﷺ نے یہ دیا کہ جو مال بقدر نصاب ہو اور اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو وہ مال اس وعید میں داخل نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم تو ''دردناک عذاب'' کی خبر اس مال کے مالک کے بارہ میں دے رہا ہے جسے زکوٰۃ بغیر جمع کیا گیا ہو۔

۴- عن عائشة قالت دخلتُ علَيّ رسول اللهﷺ فرأى في يدى فتحات من ورق ، فقال : ما هذا يا عائشة ؟ فقلت : صنعتهن أتزين لك يا رسول اللهﷺ ! قال: "أتؤدين زكاتهن؟ قلت : لا! ا و ماشاء الله ، قال : هو حسبك من النار."(۴۸)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، تو انھوں نے میرے ہاتھوں میں چاندی کے فتحات (زیور) دیکھے تو پوچھا: اے عائشہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ یہ میں نے اس لئے پہنے ہیں کہ آپ کی خاطر زینت حاصل کروں۔ آپ نے پوچھا: کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں، جو کچھ اللہ نے چاہا۔ آپ نے فرمایا: یہ بات تیرے لئے آگ میں لے جانے کے لئے کافی ہے۔

یہ روایات احناف کے مسلک پر صراحۃً دلالت کرنے کے ساتھ قوی اور نہایت صحیح ہیں۔ جبکہ دوسری طرف کوئی ایسی روایت موجود نہیں جو زیورات کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنے پر صراحۃً دلالت کرتی ہو، لہٰذا احناف کا مسلک زیادہ قوی اور مضبوط معلوم ہوتا ہے۔

جبکہ آئمہ ثلاثہ کے مسلک کو ثابت کرنے کے لئے استثناء کا ثابت ہونا بھی ضروری ہے اس لئے حضرت ابوسعید الخدریؓ کی حدیث:

''ليس فيما دون خمسة أؤاق من الورق صد قة وليس فيما دون خمسة ذود صدقة وليس فيما خمس اوسق صدقة.''(۴۹)

چاندی کے پانچ اوقیے سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ اونٹوں سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ وسق سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

یہ روایت اپنے عموم کے ساتھ زیورات میں زکوٰۃ کے وجوب پر دال ہے بشرطیکہ وہ زیورات نصاب کی مقدار کو پہنچ گئے ہوں اور اس عموم سے زیورات کو خاص کرنے کے لئے لامحالہ ایک قوی و مضبوط دلیل کی ضرورت ہوگی۔ جبکہ ایسی کوئی صحیح وصریح دلیل ائمہ ثلاثہ کی طرف سے پیش نہیں کی جاتی۔ البتہ علامہ ابن جوزی نے ''التحقیق'' میں عافیۃ بن ایوب عن لیث بن سعد عن ابی الزبیر کے واسطے سے حضرت جابر کی ایک مرفوع حدیث ذکر کی ہے کہ ''ليس في الحلى زكوٰة'' لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔(۵۰)

۲- مویشیوں کی زکوٰۃ:

تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ مویشی جن پر زکوٰۃ فرض ہے اُن سے مراد اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ اور بکریاں ہیں۔ احناف میں سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

مویشوں پر زکوٰۃ کے وجوب کے لئے درج ذیل پانچ شرائط ہیں(۵۱):

۱- مویشی پالتو اور افزائش نسل کے لئے ہوں مثلاً اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ اور بکریاں۔ اور جو مویشی بار برداری، کام کاج (مثلاً گھوڑے، خچر اور گدھے) اور ہل چلانے وغیرہ کے لئے ہوں اُن پر زکوٰۃ فرض نہیں۔(۵۲)

۲- مویشی بالغ ہوں۔ چنانچہ حِملان، (بکری کے بچوں)، فُصْلان، (اونٹ کے کے بچوں) اور عَجَاجِیْل، (بچھڑے اور بچھڑیوں) پر زکوٰۃ واجب نہیں۔(۵۳)

۳- مویشیوں کا نصاب پورا ہو

۴- نصاب کا مالک ہو جانے کے بعد حولان حول یعنی ایک سال کا گذرنا شرط ہے۔

۵- مویشی سائمہ ہوں۔ سائمہ اُن مویشیوں کو کہا جاتا ہے جو سال کا اکثر حصہ جنگل اور چرا گاہوں میں مفت کی گھاس چرتے ہوں اور مالکان کو چارہ قیمۃً نہ خریدنا پڑے (۵۴) علوفہ نہ ہوں۔ علوفہ اُن مویشیوں کو کہا تاہے جو سال کا اکثر حصہ گھر پر چارہ

کھاتے ہوں جنگل یا چراگاہوں میں چرنے کے لئے نہ بھیجے جاتے ہوں۔(۵۵)
فارمنگ کے کاروبار کے لئے جو مویشی پالے جاتے ہیں اُن کی زکوٰۃ جانوروں کی تعداد کے لحاظ سے نہیں ہوگی بلکہ اُن کا حکم سامان تجارت کی طرح ہوگا کہ اُن کی کل مالیت پر سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اونٹوں کا نصاب:

فقہائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کے پاس صرف چار اونٹ ہوں تو ان میں زکوٰۃ فرض نہیں ہاں اگر ان کا مالک کچھ دینا چاہے تو دے سکتا۔ اور جب اونٹوں کی تعداد پانچ ہوجائے اور وہ سائمہ ہوں ان پر ایک بکری واجب ہے۔

چوبیس اور اس سے کم اونٹوں میں بکریاں ہیں اس طرح ہر پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے (پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ سے نو تک ایک بکری اور دس میں دو بکریاں پندرہ پر تین بکریاں اور بیس پر چار بکریاں واجب ہوں گی) جب اونٹوں کی تعداد پچیس ہوجائے تو پچیس سے پینتیس تک ایک سالہ اونٹ یا اونٹنی (ابن مخاض، بنت مخاض) واجب ہوگا۔(۵۶)

چھتیس سے پینتالیس (۳۶-۴۵) تک ایک دو سالہ اونٹ یا اونٹنی (ابن لبون یا بنت لبون) واجب ہوگا۔

چھیالیس سے ساٹھ (۴۶-۶۰) تک ایک حِقّہ (چار سالہ اونٹ یا اونٹنی) جو نسل کشی کے قابل ہو واجب ہوگا۔

اکسٹھ سے پچھتر (۶۱-۷۵) تک ایک جذعہ (پانچ سالہ اونٹ یا اونٹنی) واجب ہوگا۔

چھتر سے نوے (۷۶-۹۰) تک دو ابن لبون یا بنت لبون واجب ہوں گے۔

اکیانوے سے ایک سو بیس (۹۱-۱۲۰) تک دو حقہ جو نسل کشی کے لائق ہوں واجب ہوں گے۔(۵۷)

مویشیوں کی زکوٰۃ کے بارے میں اصل وہ روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے اُس مکتوب کا ذکر ہے جو آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مکتوب لکھا تھا اور پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وہ مکتوب حضرت انسؓ کو لکھ کر دیا تھا جس کا ذکر باب اول میں ہو چکا ہے(۵۸)

ایک سو بیس (۱۲۰) تک اونٹوں کے نصاب کے بارے میں بیان کی گئی تمام تفصیل پر فقہاء کا اتفاق ہے البتہ ایک سو بیس کے بعد اختلاف ہے۔ چنانچہ ایک سو اکیس سے ایک سو انتیس (۱۲۱-۱۲۹) تک جمہور فقہاء کے نزدیک تین حقے ہوں گے جبکہ احناف کے نزدیک دو حقے اور ایک بکری واجب ہوگی۔

امام شافعیؒ کا مسلک:

امام شافعیؒ کے نزدیک ایک سو بیس تک دو حقے واجب ہوتے ہیں اور ایک بیس سے ایک بھی زائد ہو جائے تو فرض متغیر ہو جائے گا اور ایک سو اکیس پر تین بنت لبون واجب ہوں گے اور یہیں سے ان کے نزدیک حساب اربعینات (چالیس) اور خمسینات (پچاس) پر دائر ہو جائے گا۔ یعنی اس عدد میں جتنی اربعینات ہوں اتنے بنت لبون اور جتنی خمسینات ہوں اتنے حقے واجب ہوں گے وعلیٰ ہذالقیاس ہر دس پر فریضہ تبدیل ہوگا۔

امام مالکؒ کا مسلک:

امام کا مسلک بھی شافعیہ کی طرح ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ اربعینات اور خمسینات کا یہ حساب امام شافعیؒ کے نزدیک ایک سو اکیس (۱۲۱) ہی سے شروع ہو جاتا ہے جبکہ امام مالکؒ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ حساب ایک سو تیس سے شروع ہوگا۔ (۵۹) یعنی ایک سو انتیس تک دو حقے واجب رہیں گے اور ایک سو تیس سے مذکورہ حساب شروع ہوگا اور امام شافعیؒ کے مسلک کی طرح ایک حقہ اور دو بنت لبون واجب ہوں گے۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے:

۱- لقول النبی ﷺ: "فاذا زادت علیٰ عشرین ومائة ففی کل أربعین بنت لبون، وفی کل خمسین حقه." (٦٠)

نبی ﷺ کے اس قول کی وجہ سے: "پس جب وہ ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو ہر چالیس پر ایک بنت لبون، اور ہر پچاس پر ایک حقہ۔

۲- لقول النبی ﷺ: "فاذا زادت علیٰ عشرین ومائة، ففی کل أربعین بنت لبون."(٦١)

نبی ﷺ کے اس قول کی وجہ سے: جب وہ ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو ہر چالیس پر ایک بنت لبون۔ (بطور زکوٰۃ نکالی جائے گی)

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک:

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ان کے برخلاف ہے کہ ایک سو بیس تک دو حقے واجب رہیں گے اور اس کے بعد استیناف ناقص ہوگا (اس کو استیناف ناقص اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بنت لبون نہیں آئی) یعنی ہر پانچ پر ایک بکری بڑھتی چلی جائے گی، چنانچہ ایک سو پچیس پر دو حقے اور ایک بکری، ایک تیس پر

دو حقے اور دو بکریاں، ایک سو پینتیس پر دو حقے تین بکریاں، ایک سو چالیس پر دو حقے اور چار بکریاں اور جب ایک سو پینتالیس ہو جائیں گے تو دو حقے اور ایک ابن مخاض یا بنت مخاض واجب ہوگا۔

اور ایک پچاس پر تین حقے واجب ہوں گے اس کے بعد استیناف کامل ہوگا یعنی ہر پانچ پر تین حقوں کے ساتھ ایک بکری بڑھتی چلی جائے گی۔ ایک سو پچھتر پر تین حقے اور ایک بنت مخاض واجب ہوگا اور ایک سو چھیاسی پر تین حقے اور ایک بنت لبون واجب ہوگا۔ ایک سو چھیانوے (۱۹۶) سے دو سو تک چار حقے واجب ہوں گے۔

دو سو کے بعد پھر نیا حساب شروع ہوگا جس طرح ایک سو پچاس (۱۵۰) کے بعد شروع ہوا تھا یعنی ۲۰۵ پر چار حقے اور ایک بکری، ۲۱۰ پر چار حقے اور دو بکریاں، ۲۲۰ پر چار حقے اور تین بکریاں، ۲۲۵ پر چار حقے اور اور ایک بنت مخاض، ۲۳۶ پر چار حقے اور ایک بنت مخاض واجب ہوگا الخ (۶۲)

بھیڑ اور بکریوں کا نصاب:

بھیڑ اور بکریاں کے نصابِ زکوٰۃ، وجوب زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے بارے میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ بھیڑ اور بکریوں کے جنگل میں چرنے والی بھیڑ اور بکریوں کی زکوٰۃ یہ ہے کہ جب چالیس سے ایک سو بیس تک ہوں تو ایک بکری جو ایک سال کی ہو زکوٰۃ کی مد میں دینا واجب ہوگی، پھر ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو دو سو تک دو بکریاں پھر جب دو سو سے زیادہ ہو جائیں تین سو تک تو ان میں تین بکریاں اس کے بعد ہر سو بکریوں پر ایک بکری ادا کرنا ہوگی۔

اور اگر کسی شخص کے پاس جنگل میں چرنے والی بکریاں چالیس سے کم ہوں تو ان پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی البتہ اگر ان کا مالک بطور نفلی صدقہ کے کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ (۶۳)

گائے اور بھینس کا نصاب:

آئمہ اربعہ اور جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ گائے، بیل اور بھینس اگر تیس سے کم ہوں تو ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں اور جب ان کی تعداد تیس ہو جائے اور وہ سائمہ ہوں۔ تو ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی ''تبیع یا تبیعة'' اور جب اُن کی تعداد چالیس ہو جائے تو ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی ''مُسِنٌّ ، یا مُسِنَّةٌ'' واجب الادا ہوگی۔ اس کے بعد ہر تیس پر ایک تبیعہ اور ہر چالیس پر اس مُسِنہ واجب ہوگا۔ گائے اور بھینس کا ایک ہی حکم ہے ''والجاموس کالبقر.'' (۶۴)

آئمہ ثلاثہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک چالیس سے زائد پر مزید کوئی زکوٰۃ نہیں جب تک ساٹھ کا عدد پورا نہ ہو جائے، جبکہ امام ابو حنیفہؒ سے اس بارے میں تین روایات ملتی ہیں:

۱- امام ابوحنیفہؒ کی پہلی روایت یہ ہے کہ چالیس کے بعد کے کسور میں بھی اس کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہے۔ لہذا جب چالیس پر ایک گائے بھینس زیادہ ہوگی تو اس زائد پر مُسِنّۃ کا چالیسواں حصہ اور دو زائد ہو زائد ہونے پر مُسِنّۃ کا بیسواں حصہ اور تین زائد ہونے پر مُسِنّۃ کے دسویں حصہ کے تین چوتھائی واجب ہوں گے۔

۲- امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ چالیس سے زائد پر کچھ واجب نہ ہوگا یہاں تک کہ عدد پچاس تک پہنچ جائے پھر پچاس پر ایک مُسِنّۃ کا چوتھائی یا تبیعہ کے ایک تہائی کا اضافہ ہو جائے گا۔

۳- امام ابوحنیفہؒ کی تیسری روایت جمہور کے مطابق ہے(۶۵)۔

ظاہر یہ کے نزدیک گائے جب تک پچاس سے کم ہوں تو اُن پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب پچاس ہو جائیں تو ایک گائے واجب ہوگی۔

جبکہ حضرت سعید بن المسیبؒ اور امام زہریؒ کے نزدیک گائے کا نصاب اونٹ کی طرح پانچ سے شروع ہو جاتا ہے لہذا جب پانچ گائے ہونگی تو ایک بکری، دس پر دو بکریاں، پندرہ پر تین بکریاں، بیس پر چار بکریاں اور پچیس گائیوں پر ایک گائے واجب ہوگی۔ پھر جب چھہتر ہو جائیں تو دو گائے یہاں تک کہ عدد ایک سو بیس تک پہنچ جائے اور اس سے زائد ہونے پر ہر چالیس پر ایک گائے واجب ہوگی۔

ان حضرات کا استدلال حضرت جابر بن عبداللہؓ کے اثر سے ہے جو ان کے مسلک کے مطابق مروی ہے لیکن امام بیہقی نے اس اثر کو موقوف اور منقطع قرار دیا ہے۔

سنن بیہقی میں ہے:

”وأما الاثر الذی أخبرنا ... عن جابر بن عبد الله فی کل خمس من البقر شاة وفی عشرٍ شاتان وفی خمس عشرة ثلاث شیاه وفی عشرین أربع شیاه قال الزهری : فإذا کانت خمسا وعشرین ففیها بقرة إلی خمس وسبعین ، فإذا زادت علیٰ خمس و سبعین ففیها بقرتان إلی عشرین ومائة ،فإذا زادت علیٰ عشرین ومائة ففی کل أربعین بقرةٍ بقرةٌ . فهذا حدیث موقوف و منقطع،وروی من وجه آخر عن الزهری منقطعًا.“(٦٦)

رہا وہ اثر جو ہمیں بتایا گیا: جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہر پانچ گائے میں ایک بکری اور دس گائے میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس گائے میں

چار بکریاں زکوٰۃ بنتی ہے۔ زہری نے کہا ہے کہ جب گائے پچیس (۲۵) ہو جائیں تو اُن پر پچھتر (۷۵) کی تعداد ہونے تک، ایک گائے زکوٰۃ بنتی ہے، تو جب وہ (۷۵) سے زیادہ ہو جائیں تو اُن پر ایک سوبیس (۱۲۰) کی تعداد ہونے تک دو گائے زکوٰۃ بنتی ہے، پس جب وہ (۱۲۰) سے زیادہ ہو جائیں تو ہر چالیس پر ایک ایک گائے زکوٰۃ بنتی ہے۔ یہ حدیث موقوف و منقطع ہے اور زہری سے ایک اور طریقے سے منقطع روایت کی گئی ہے۔

جمہور فقہائے کرام نے حضرت معاذ بن جبل کی درج ذیل روایت سے استدلال کیا ہے:

عن معاذ بن جبل قال: "بعثني النبیﷺ الی الیمن فأمرني ان آخذ من کل ثلاثین بقرة تبیعاً او تبیعة ومن کل أربعین مُسنة." (٦٧)

معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا، پس آپ نے مجھے حکم دیا کہ ہر چالیس گائیوں پر ایک مُسِنّہ وصول کروں۔

گھوڑوں کی زکوٰۃ:

گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بارے میں جمہور فقہاء کرام (یعنی حضرت سعید بن المسیب، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت مکحول، حضرت عطاء، امام شعبی، حضرت حسن بصری، حضرت ابن سیرین، حضرت سفیان ثوری، امام زہری، امام اسحاق، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) (٦٨) کا مسلک یہ ہے کہ جو گھوڑے تجارت کے لئے نہ ہوں اُن میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی یہ حضرات درج ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں:

۱- عن ابی هریرة قال قال رسول اللہﷺ: "لیس علیٰ المسلم صدقة فی عبده ولا فی فرسه وفی روایة قال لیس فی عبده صدقة الاّ صدقة الفطر." (٦٩)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان پر اُس کے غلام اور اُس کے گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا: کسی مسلمان پر اس کے غلام میں زکوٰۃ تو واجب نہیں البتہ صدقۂ فطر واجب ہے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: میں نے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ

معاف کردی ہے، پس تم غلام کا صدقہ اس شکل میں ادا کرو کہ ہر (۴۰) درہم پر ایک درہم ادا کرو اور ایک سو نناوے پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، پس جب دو سو تک پہنچ جائیں تو اُن پر پانچ درہم صدقہ (فطر) نکالو۔

عن علی قال: قال رسول اللهﷺ "قد عفوت عن صدقة الخيل والرقيق فهاتوا صدقة الرقة من كل اربعين درهماً درهمٌ وليس فی تسعين و مائة شئ فاذا بلغت مائتين ففيها خمسة دراهم."(۷۰)

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے یہاں گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بارے میں تفصیل ہے:

۱- گھوڑے ''سائمہ'' ہوں یعنی سال کا اکثر حصہ جنگل اور چراگاہوں میں مفت چرتے ہوں مالکان کو چرائی کی قیمت ادا نہ کرنی پڑتی ہو۔

۲- ''علوفہ'' وہ جانور جن کی پرورش گھر پر ہوتی ہے۔

یہ دونوں قسم کے گھوڑے تجارت کے لئے ہوں گے یا نہیں۔ اگر تجارت کے لئے ہوں تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہے۔

''سائمہ'' یا ''علوفہ''، اگر تجارت کے لئے نہ ہوں تو یا بار برداری اور سواری کے لئے ہوں گے یا کسی اور مقصد کے لئے، اگر بار برداری اور سواری کے لئے ہوں تو اُن میں زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر کسی اور فائدے کے لئے ہوں اور ''علوفہ'' ہوں تب بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔

اور اگر ''سائمہ'' ہوں اور نر و مادہ دونوں ہوں اور عربی النسل ہوں تو مالک کو اختیار ہے چاہے ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار دیدے اور چاہے تو سب کی قیمت لگا کر ہر دو سو درہم پر پانچ درہم کے حساب سے یعنی قیمت کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کرے۔

گھوڑوں پر نفس وجوب تو رسول اللہﷺ کے ارشاد گرامی کیوجہ سے جس میں آپ نے فرمایا:

عن جابر قال: قال رسول اللهﷺ: "فی الخيل السائمة فی كل فرس دينارٌ."(۷۱)

سنن دارقطنی میں ہے:

عن جابر قال : قال رسول اللهﷺ: "فی الخيل السائمة فی كل فرس دينارٌ تؤديه."(۷۲)

امام دارقطنیؒ نے حضرت علیؓ کا معمول ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "**فاخذ علیؓ من الفرس عشرة دراهم.**"(۷۳) ہر سائمہ گھوڑے میں ایک دینار یا دس دراہم ہیں۔ اور تخییر حضرت عمر فاروق کے فرمان سے ثابت ہے جو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو لکھا تھا:

’’ خَيِّر اربابها ان اَدُّوامن كل فرس دينارًا و الا فقومها وخذ من كل مائتى درهم خمسة دراهم. ‘‘(۷۴)

امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ، امام زفرؒ، اور شمس الائمہ سرخسیؒ کا مسلک بھی یہ کہ وہ گھوڑے جو نسل کشی کے لئے ہوں اُن پر زکوٰۃ واجب ہے۔(۷۵)

یہ حضرات مذکورہ احادیث کے علاوہ درج ذیل حدیث اور آثار صحابہ سے بھی استدلال کرتے ہیں:

عن ابى هريرة يقول قال رسولﷺ ... ’’الخيل ثلاثة: هى لرجل وزر وهى لرجل ستر وهى لرجل أجر، فاما التى هى له وزر فرجل ربطها رياءً و فخراً و نوأ علىٰ اهل الاسلام فهى له وزر، واما التى هى له ستر فرجل ربطها فى سبيل الله ثم لم ينس حق الله فى ظهورها و لارقابها فهى له سترٌ، واما التى هى له اجرٌ فرجل ربطها فى سبيل الله لاهل الاسلام فى مرج و روضة فما أكلت من ذلك المرج أو الروضة من شئ إلا كتب له عدد ما أكلت حسناتٌ ...الخ. ‘‘(۷۶)

نیز حضرت انسؓ فرماتے ہیں حضرت عمر فاروقؓ اپنے زمانہ میں گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی تھی اور ہر عربی گھوڑے سے دس دینار اور فارسی النسل گھوڑے سے پانچ درہم وصول فرمایا کرتے تھے۔

۱- عن انس بن مالك: ان عمرؓ كان يأخذ من الفرس عشرة و من البرذون خمسة. ‘‘(۷۷)

۲- عن الزهرى ان السائب بن يزيد أخبرهُ قال رايت ابى يُقوّم الخيل ويدفع صدقتها الى عمر بن الخطاب. ‘‘(۷۸)

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ وہ گھوڑوں کی قیمت لگا کر اُن کی زکوٰۃ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

ابن عبدالبر سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے یعلیٰ بن اُمیہ سے فرمایا کہ چالیس بکریوں میں سے ایک بکری زکوٰۃ کی مد میں وصول کریں اور گھوڑوں میں سے کچھ نہ لینا بلکہ ہر گھوڑے کے بدلے ایک دینار زکوٰۃ کی مد میں وصول کرنا۔

روى ابوعمر بن عبد البر باسناده: ’’أن عمر بن الخطاب قال ليعلىٰ

بن أُمية تاخذ من كل شاةٍ شاةً ولا تأخذ من الخيل شيئاً ، خذ من كل فرس ديناراً ، فضرب على الخيل ديناراً ديناراً.''(۷۹)

جمہور فقہاء کی طرف سے پیش کردہ حدیث ''**ليس على المسلم فى عبده الخ**'' میں گھوڑے سے مراد غازیوں کے گھوڑے یا مطلقاً سواری کے لئے پالے گھوڑے مراد ہیں کیونکہ اُن میں زکوٰۃ نہیں۔(۸۰)

☆ واضح رہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کے خلاف کوئی نیا فیصل نہیں دیا بلکہ اصل صورتِ حال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عام طور پر گھوڑے سواری ہی کے لئے ہوتے تھے اس لئے نسل کشی کے گھوڑوں کا حکم اس دور میں مشہور نہ ہوسکا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں چونکہ اس کی بہت سی نظیریں پیش آئیں اس لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ ہی کے حکم کو جو اُن سمیت اب تک تھوڑے لوگوں کو معلوم تھا اعلان کرکے نافذ فرمادیا۔

۳- تجارتی مال کی زکوٰۃ:

اموالِ تجارت میں نصاب کا تخمینہ دراہم و دنانیر کی قیمت سے ہوگا۔ جب تک ان کی قیمت دوسو درہم چاندی یا بیس مثقال سونے تک نہیں پہنچ جاتی ان میں کچھ واجب نہ ہوگا اور جب ان کی قیمت سونے اور چاندی کے نصاب کے برابر ہوجائے گی تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جمہور فقہائے کرام کا یہی مسلک ہے۔ البتہ اصحاب ظواہر کا مسلک یہ ہے کہ اموالِ تجارت میں بالکل زکوٰۃ واجب نہیں، ان کا کہنا ہے کہ زکوٰۃ کے وجوب کا علم نص سے ہے اور نص درہم و دنانیر اور سوائم کے بار ے میں وارد ہوئی ہے۔ اور اگر ان کے علاوہ کسی شے میں زکوٰۃ واجب ہو تو ان پر قیاس کرتے ہوئے واجب ہوگی اور قیاس حجت نہیں خصوصاً مقادیر کے باب میں۔(۸۱)

جمہور فقہائے کرام حضرت سمرۃ بن جندبؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

عن سمرة بن جندب: "انّ رسول الله ﷺ كان يامرنا ان نخرج الصدقة من الذى نُعِدُّ للبيع."(۸۲)

حضرت سمرۃ بن جندب ؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ تجارت کے لئے جو مال تیار کریں اس کی زکوٰۃ ادا کیا کریں۔

علاوہ ازیں اصل وجوب تو عقل سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ نعمت مال کا شکرانہ ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے مال پر قدرت بخشی ہے، اس کے لئے شکر کی یہی صورت ہے کہ عاجز و درماندہ محتاج و مساکین کی اعانت کرے۔ شریعت نے تو مقدار واجب کا تعین کیا ہے۔ لہٰذا دراہم و دنانیر اور سوائم کی

طرح اموال تجارت پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

شیئرز اور سرٹیفکیٹس کی زکوٰۃ:

دورِ حاضر میں کرنسی کی شکلیں بدل گئی ہیں اس لیے کرنسی کی تبدیل شدہ شکل خواہ وہ شیئرز، سرٹیفکیٹس یا بانڈز کی ہو اس پر کرنسی کی زکوٰۃ کا حکم آئے گا۔

اتجه رأس المال في الوقت الحاضرلتشغيله في نواحٍ من الاشتثمارات غيرالأرض والتجارة،وذلك عن طريق إقامة المباني أوالعمارات بقصدالكراء، والمصانع المعدة للإنتاج، ووسائل النقل من طائرات وبواخر (سفن) وسيارات، ومزارع الأبقار والدواجن وتشترك كلها في صفة واحدة هي أنها لاتجب الزكاة في عينها وإنما في ريعها وغلتها أو أرباحها.

وبالرغم من أن جمهور فقهائنا لم ينصوا على وجوب الزكاة في هذا النوع من المستغلات، وقالوا: لازكاة في دور السكنى وأثاث المنزل وأدوات الحرفة ودواب الركوب، كما ذكرنا سابقاً، فإني أرى ضرورة الزكاة فيها، لوجود علة وجوب الزكاة فيها وهي النماء، والحكم يدور مع علته وجوداً وعدماً، ولتوفر حكمة تشريع الزكاة فيها أيضاً وهي التزكية والتطهير لأرباب المال أنفسهم، ومواساة المحتاجين، والمساهمة في القضاء على الفقر الذي يشغل أنظمة العالم الحاضرة. (۸۳)

دورِ حاضر میں سرمائے کو زمین اور تجارت کے علاوہ مختلف قسم کی سرمایہ کاریوں میں لگایا جاتا ہے۔ ایسی سرمایہ کاریوں میں کرائے پر دینے کی غرض سے پلازے اور عمارتیں بنائی جاتی ہیں یا پیداوار حاصل کرنے کے لیے کارخانے لگائے جاتے ہیں یا ہوائی اور بحری جہازوں، نقل وحمل کی گاڑیوں نیز ڈیری اور پولٹری فارموں (وغیرہ) پر سرمایہ لگایا جاتا ہے۔ سرمایہ داری کی ان تمام مدوں میں ایک قدر مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ خود ان پر زکوٰۃ واجب نہیں رہتی بلکہ ان کی آمدنی، منافع اور فوائد پر واجب ہوتی ہے۔

فقہاء کی اکثریت نے اس قسم کے ترقی پذیر ومنافع بخش سرمایوں پر زکوٰۃ کا تعین نہیں کیا۔
فقہاء کہتے ہیں کہ رہائشی گھروں، گھریلو ساز وسامان، پیشہ ورانہ آلات اور سواری کے جانوروں پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔ (اس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں)

میری اپنی رائے ہے کہ اس قسم کے ترقی پذیر و وسعت انگیز منافع بخش سرمایوں پر زکوٰۃ ہونی چاہیے کیونکہ ان سرمایوں میں ایک ایسی علّت موجود ہے جو ان پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا موجب ہے اور وہ علّت ہے ''نماء'' یعنی ان اموال اور ان سرمایوں کی وسعت پذیری، ترقی، بڑھوتری اور نشو ونما کی صلاحیت پر واجبِ زکوٰۃ کی علّت موجود ہے۔ زکوٰۃ کے وجوب کا حکم ان اموال اور سرمایوں میں ترقی پذیری، بڑھوتری اور نشو ونما کی صلاحیت کی علّت کے ہونے یا نہ ہونے پر موقوف ہے۔ علاوہ ازیں ان اموال و سرمایوں میں زکوٰۃ کی شروعیت کی حکمت بھی بدرجہ اتم موجود ہے اور وہ سرمایہ داروں کا (مالی آلائشوں سے) تزکیہ تطہیر محتاجوں کی غم خواری اور موجودہ زمانے میں دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لینی والی غربت کو ختم کرنے میں حصہ ڈالنا ہے۔

۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء کی دوسری مسلم سکالرز کانفرنس اور دوسری اسلامک ریسرچ کانفرنس نے تجویز دی ہے کہ وہ ترقی پذیر و وسعت انگیز اموال اور سرمایے جن پر زکوٰۃ واجب نہ کرنے کی کوئی (شرعی) نص اور فقہی رائے نہیں ہے، ان پر زکوٰۃ واجب ہونے کا حکم اس طرح ہے کہ عصر حاضر میں تجارت وصنعت کی جدید صورتوں میں نصابِ زکوٰۃ کا مسئلہ اس طرح سے ہے:

جو صنعتیں بڑی بھاری رقوم سے قائم کی جاتی ہیں، اُن کی مشینری اور آمدنی پر زکوٰۃ وصول کی جائے تو یہ شریعت کے مطابق ہوگا اسی طرح تجارتی عمارتیں، پلازے وغیرہ کی سالانہ آمدنی پر زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ ان عمارتوں کے اثاثہ جات پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

۴۔ زراعت اور باغات کی آمدنی پر عشر دینے کا حکم:

زمین کی پیداوار جس میں جملہ اجناس، پھل اور سبزیاں سب ہی شامل ہیں کی زکوٰۃ کو عشر کہا جاتا ہے۔ زمین اگر بارانی ہو یعنی بارش، نہر یا دریائی پانی سے مفت سیراب ہوتی ہو تو پیداوار اُٹھنے کے وقت خواہ پیداوار کم ہو یا زیادہ تمام پیداوار کا عشر (دسواں حصہ) اور اگر اس کی پیداوار پر پانی کے اخراجات آتے ہوں مثلاً، نہری پانی خرید کر، ٹیوب ویل وغیرہ یا کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہو تو اس کی پیداوار کا نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) یا اُس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔

رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''فیماسقتِ السمآءُ والعیون او کان عثریًّا العشرُ وما سُقِی بالنضح

نصف العشر .''(۸۴)

زمین اگر آسمان یا چشموں کے پانی سے سیراب ہو یا خود سرسبز وشاداب ہوتو اس کی پیداوار میں دسواں حصہ واجب ہوتا ہے اور جو زمین بیلوں وغیرہ کے ذریعہ سے سیراب ہو اُس کی پیداوار میں بیسواں حصہ دینا واجب ہوگا۔

اور اخراجات (مثلاً ٹریکٹروں کے ذریعہ ہل چلانا، کیمیائی کھاد ڈالنا اور گوڈی وغیرہ کرانا کیڑے مار ادویات، بیج ڈالنا فصل کی کٹائی کی مزدوری، تھریشر وغیرہ سے گہائی) کو وضع نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ جتنی بھی پیداوار ہوگی اخراجات کو منہا کیے بغیر اُس کا عشر یا نصف عشر صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے

چنانچہ مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں''عشر یا نصف عشر پوری پیداوار میں نکالا جائے۔ بونے، کاٹنے اور حفاظت کرنے، بیلوں اور مزدوروں وغیرہ کے جو اخراجات ہیں وہ ادائے عشر کے بعد نکالے جائیں۔(۸۵)

فتاویٰ عالمگیری، میں ہے:

''ولا تحسب اجرة العمال ونفقة البقروكرى الانهار و اجرة الحافظ وغيرذلک فيجب اخراج الواجب من جميع ماأخرجته الارض عشرا او نصفا كذا فى البحر.''(۸٦)

واضح رہے مویشیوں کے چارے، سبزیوں، پھلوں کے باغات، کپاس، ترکاریوں وغیرہ تمام پیداوار پر عشر واجب ہوتا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ زرعی زمین کی کل پیداوار پر جملہ اخراجات کو منہا کیے بغیر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

شریعت اسلامیہ نے اضافی اخراجات (نہری پانی خریداری، ٹیوب ویل اور کیڑے مار ادویات وغیرہ کے اخراجات) کو مدنظر رکھتے ہوئے عشر (دسویں حصہ) سے نصف عشر (بیسویں حصہ) کا نصاب مقرر کیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اضافی اخراجات کی وجہ سے زمین کی پیداواری صلاحیت میں یقیناً اضافہ ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے پیداوار کئی گنا زیادہ حاصل کی جاتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ سورۃ واقعہ کی آیات جن کا ترجمہ درج ذیل ہے بھی پیش نظر رہیں:

ترجمہ:''اچھا پھر یہ تو بتلاؤ کہ تم جو کچھ بیج وغیرہ بوتے ہو اس کو کیا تم اگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟، اگر ہم چاہیں تو اس پیداوار کو چورا چورا کر دیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ گے کہ ہائے اب

کے تو ہم مفت تاوان میں پھنس گئے بلکہ ہم ہیں ہی بدنصیب، اچھا بھلا یہ تو بتلاؤ جو پانی تم پیتے ہو کیا اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں؟، اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر ڈالیں پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے۔" (۸۷)

ترمذی شریف کی روایت ہے:

"لیس فیما دون خمسة ذود صدقة ولیس فیما دون خمسة اواق صدقة ولیس فیما دون خمسة اوسق صدقة." (۸۸)

یعنی پانچ اونٹوں سے کم پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی اور پانچ اوقیہ (چاندی جو دوسو درہم کے برابر ہوتے ہیں) سے کم چاندی ہو اور زمین کی پیدا وار اگر پانچ وسق (۸۹) سے کم ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

اس حدیث کے بنا پر امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ زرعی پیداوار کا نصاب پانچ وسق یعنی تین سو صاع ہے جس کے تقریباً پچیس من بنتے ہیں، اور اس سے کم مقدار پر ان حضرات کے نزدیک عُشر واجب نہیں۔

لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زرعی پیداوار کا کوئی نصاب مقرر نہیں بلکہ اس کی ہر قلیل و کثیر مقدار پر عُشر واجب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے سورۃ بقرۃ کی آیت، وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ (۹۰) اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد **ما اخرجت الارض ففیه العشر** .(۹۱) کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ عشری زمین کی جملہ پیداوار کم ہو یا زیادہ اس پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔

ترجمہ: اے ایمان والو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں ان میں سے (اللہ کی راہ) میں خرچ کرو، البقرۃ: ۲۶۷۔

عشر کے وجوب کے بارے میں سورۃ الانعام کی آیت: ۱۴۱، (وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ) صریح اور واضح ہے۔

اور جب یہ چیزیں پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ اور جس دن (پھل توڑو اور کھیتی) کاٹو تو اللہ کا حق بھی اس میں سے ادا کرو اور بے جا نہ اُڑانا کہ اللہ بیجا اُڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا

اس کے علاوہ صحاح کی معروف حدیث بھی امام ابو حنیفہؒ کا مستدل ہے:

عن عبد اللہ بن عمر عن النبی ﷺ قال "فیما سقت السمآءُ والعیون او کا ن عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر." (۹۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چیز کو آسمان یعنی

بارش یا قدرتی چشموں نے سیراب کیا ہو یا خود زمین سرسبز و شاداب ہو تو اس میں دسواں حصہ واجب ہوتا ہے اور جس زمین کو بیلوں یا اونٹوں کے ذریعہ کنویں سے سیراب کیا گیا ہو تو اُس کی پیداوار میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۹۳)، حضرت مجاہدؒ (۹۴)، ابراہیم نخعیؒ (۹۵) اور امام زہریؒ (۹۵) کا مسلک بھی یہی ہے کہ زمین کی ہر قلیل و کثیر پیداوار پر عُشر واجب ہے۔ جس سے امام ابوحنیفہؒ کے موقف کی مزید توثیق ہوتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے موقف کی مزید توثیق ان احادیث سے بھی ہوتی ہے:

۱- عن موسیٰ ابن طلحة قال عندنا کتاب معاذ ابن جبل عن النبیﷺ انه قال "انمآ امرهٗ ان یاخذ الصدقة من الحنطة والشعیر و الزبیب والتمر."(۹۷)

حضرت موسیٰ تابعی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس معاذ بن جبلؓ کا وہ مکتوب گرامی ہے جسے رسول اللہﷺ نے اُن کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ حضرت معاذؓ نے بیان کیا کہ "نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں گیہوں، جو، انگور اور کھجوروں کی زکوٰۃ وصول کروں۔

۲- عن عتاب بن اسید ان النبیﷺ قال: "فی زکاة الکروم انها تخرص کما تخرص النخل ثم تؤدی زکاته زبیباً کما تؤدی زکاة النخل تمراً."(۹۸)

حضرت عتاب بن اسیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انگور کی زکوٰۃ کے بارہ میں فرمایا: انگوروں کا اسی طرح اندازہ کیا جائے جیسے کھجوروں کا اندازہ کیا جاتا ہے پھر اُن انگوروں کی زکوٰۃ اُس وقت ادا کی جائے جب وہ خشک ہو جائیں جس طرح کھجوروں کی زکوٰۃ خشک ہو جانے کے بعد دی جاتی ہے۔

شہد کی زکوٰۃ:

شہد کی زکوٰۃ کے بارہ میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ شہد میں زکوٰۃ واجب نہیں جبکہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہے خواہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ۔ بشرطیکہ کہ عشری زمین میں سے نکلا ہو۔

عن ابن عمر قال: "قال رسول اللہ ﷺ فی العسل فی کل عشرۃ ازُقٍّ زقٌّ."(۹۹)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہد کی زکوٰۃ کے بارہ میں فرمایا: ہر دس مشک میں ایک مشکیزہ بطور زکوٰۃ واجب ہے۔

اس حدیث کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ، صاحبینؒ، امام شافعیؒ کا قول قدیم، امام احمد بن حنبلؒ، امام مکحولؒ، امام زہریؒ، امام اوزاعیؒ، امام اسحاقؒ اور مالکیہ میں سے ابن وہبؒ کا مسلک یہ ہے کہ شہد میں عشر واجب ہے۔

جبکہ حضرات شوافع اور مالکیہ کے علاوہ ابن ابی لیلیٰؒ، حضرت سفیان ثوریؒ، امام ابوثورؒ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مسلک یہ ہے کہ شہد میں عُشر واجب نہیں۔(۱۰۰)

امام ابوحنیفہؒ وغیرہم مذکورہ بالا حدیث کے علاوہ درج ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں:

۱- **عن ابی سیارۃ المتعی قال: "قلت یا رسول اللہ ﷺ إن لی نحلاً** (شہد کی مکھیاں) **قال: أدّ العشر قلت: یا رسول اللہ ﷺ إحمها لی جبلها فحماها لی."**(۱۰۱) اُن کی درخواست پر رسول اللہ نے اُن کے لئے ایک وادی انہیں الاٹ کر دی ہے۔

۲- **عن عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ "عن النبی ﷺ انہ اخذ من العسل العشر."(۱۰۲)**

۳- **عن ابی ہریرۃ قال: "کتب رسول اللہ ﷺ إلی أھل یمن أن یؤخذ من العسل العشر."(۱۰۳)**

نیز حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ شہد پر عُشر وصول کیا کرتے تھے، اس سے بھی وجوب عشر کی احادیث کی تائید ہوتی ہے جبکہ حضرات شوافع اور مالکیہ کے پاس عدم وجوب عشر پر کوئی مسند حدیث موجود نہیں۔(۱۰۴)

دفینہ کی زکوٰۃ:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ "العجماء جُرحها جُبارٌ والبئر جبارٌ والمعدن جبارٌ وفی الرِّکاز الخمس."(۱۰۵)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر جانور کسی کو زخمی کر دے تو معاف ہے اگر کنواں کھدوانے میں کوئی مر جائے تو معاف ہے اگر

کان کھدوانے میں کوئی مرجائے تو معاف ہے اور رکاز میں پانچواں حصہ واجب ہو تا ہے۔

''رکاز'' سے مراد معدن یعنی معدنی کانیں یا دفینے ہیں اس میں مدفون خزانہ بھی بالاتفاق داخل ہے چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک موقع پر ''رکاز'' کے اسی معنیٰ کی وضاحت فرمائی ہے(۱۰۶)

اس کے علاوہ بخاری میں ہے:

''**وقال بعض الناس المعدن رکاز ﷺ مثل دفن الجاهلية.** ''(۱۰۷)

چنانچہ اگر کسی شخص کو کہیں سے مدفون خزانہ ہاتھ آ جائے تو بالاتفاق اُس کا پانچواں حصہ بیت المال کو دینا واجب ہے۔ البتہ فقہاء کے درمیان اس بات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ''رکاز'' کے لفظ میں معدن'' کان'' شامل ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک ''رکاز'' کے لفظ میں معدن شامل ہے لہذا حدیث کے جملہ ''**وفي الرّكاز الخمس**'' سے جہاں دفینۂ جاہلیت پر خمس کا ثبوت ہوگا وہیں اس سے معدن پر بھی خمس کا وجوب ثابت ہوگا۔

لیکن شوافع کہتے ہیں کہ رکاز میں معدن شامل نہیں لہذا اس پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں وہ مذکورہ حدیث کے جملہ ''**المعدن جبارٌ**'' کے یہی معنیٰ بیان کرتے ہیں کہ معدن پر کچھ واجب نہیں۔

اس معاملہ میں احناف کا مسلک لغت، روایت اور درایت تینوں کے اعتبار سے راجح معلوم ہوتا ہے۔

لغت کے اعتبار سے:

علامہ ابن منظور افریقیؒ نے لسان العرب میں (۱۰۸) ابن الاعرابی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ لفظ ''رکاز'' کا اطلاق مدفون خزانہ کے علاوہ معدن پر بھی ہوتا ہے اور علامہ ابن الاثیر جزریؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''**المعدن والركاز واحد.** ''(۱۰۹)

نیز امام ابوعبید قاسم بن سلام جن کا شمار بڑے محدثین میں ہوتا ہے وہ لغت کے بھی امام ہیں، انہوں نے بھی یہی قول کو اختیار کرتے ہوئے معدن پر خمس کو واجب قرار دیا۔(۱۱۰)

روایت کے اعتبار سے:

روایۃً اس لئے راجح معلوم ہوتا ہے اول تو حدیث میں ''**وفي الرّكاز الخمس**'' کے جملہ سے احناف کے مسلک کی تائید ہو رہی ہے، دوسرے امام ابوعبید قاسم بن سلام نے ایک روایت نقل کی ہے:

عن عبداللہ بن عمر: "ان النبیﷺ سئل عن المال یوجد فی الخرب العادی فقال فیه وفی الرکاز الخمس."(۱۱۱)

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے اُس مال کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی ویرانے میں پایا جائے، تو آپ نے فرمایا: اُس میں اور رکاز میں پانچواں حصّہ نکالا جائے گا۔

اس حدیث میں رکاز سے مراد سوائے معدن کے اور کچھ نہیں ہوسکتا، کیونکہ مدفون خزانہ کا ذکر "فیہ" میں آ چکا ہے اور رکاز کا اس پر عطف کیا گیا ہے اور عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ اور خود امام ابوعبید اس مذکورہ بالا حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" فقد تبین لنا الآن ان الرکاز سوی المال المدفون."(۱۱۲)

نیز علامہ عینی نے امام یوسفؒ کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہؓ کی نقل کی ہے:

قال رسول اللہﷺ:"فی الرکاز الخمس قیل؟وما الرکاز یارسول اللہﷺ؟قال: الذھب الذی خلقه اللہ تعالیٰ فی الارض یوم خلقت"(۱۱۳)

تحقیق سے یہ امر واضح ہے کہ زکوٰۃ اسلام کا تیسرا بنیادی رکن اور نماز کے بعد سب سے اہم فریضہ ہے۔ شریعت اسلامی میں زکوٰۃ کی ایک مسلّمہ حیثیت ہمیشہ رہی ہے اور زکوٰۃ کو اسلامی ریاست کا اجتماعی فریضہ شمار کیا جاتا رہا ہے اس کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہے۔ زکوٰۃ صرف اُسی مال سے وصول کی جاتی ہے جو نصاب کے مطابق ہو، زکوٰۃ کا کم از کم نصاب ساڑھے باون (52-1/2) تولے چاندی اور ساڑھے سات تولے (7-1/2) تولے سونا ہے جو بھی مال اس مالیت کا حامل ہو اور اس پر ایک سال گزر چکا ہو، زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ شریعت نے سونا، چاندی، پالتو جانور، تجارتی مال، شیئرز، سرٹیفکیٹس، بانڈز پر اور تجارتی عمارتوں، صنعتوں، زراعت و باغبانی کی آمدنی پر زکوٰۃ کا نصاب مقرر کیا ہے۔ جس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) ابنِ منظور الافریقی، لسان العرب، ۱:۶۱۷۔

(۲) سعدی ابوحبیب، القاموس الفقہی، ص:۳۵۳، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی۔

(۳) علامہ محمد قطب الدین خان، مظاہر حق، دارالاشاعت کراچی۔

(۴) کاسانی، ابوبکر علاء الدین بن مسعود حنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۲:۲۹۔

(۵) احمد بن حنبل، المسند، مسند ابی بکر الصدیق، رقم:۶۸۔

(۶) کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۲:۲۹۔

(۷) ابن ہمام، فتح القدیر، کتاب الزکوٰۃ، ۱:۴۸۷-۴۸۸۔

(۸) تفصیل کے لئے دیکھئے:

جصاص، احکام القرآن، ۳:۱۵۶۔

کاسانی، بدائع الصنائع، فصل واما بیان من لہ المطالبہ، باداء الواجب فی السوائم والاموال الظاہرۃ ۲:۳۵

(۹) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: نسفی، کنز الدقائق، باب العاشر ص:۶۱/ مرغینانی، باب فیمن یمرّ علی العاشر، ۱:۱۹۶/ ابن نجیم، البحر الرائق، باب العاشر، ۲:۴۰۲/ زیلعی، تبیین الحقائق، باب العاشر، ۱:۲۸۲/ کاسانی، بدائع الصنائع، ۲:۳۸۔

(۱۰) مرغینانی، ہدایہ، باب فیمن یمرّ علی العاشر، ۱:۱۹۸۔

(۱۱) مالک بن انسؒ، الموطأ، کتاب الزکوٰۃ، باب الزکاۃ فی العین من الذہب والورق، ۱:۲۱۱، دارالحدیث قاہرہ، ۱۹۹۳ء۔

(۱۲) ابن ابی شیبہ، حافظ عبداللہ بن محمد، مصنف ابن ابی شیبہ، باب ما قالوا فی العطاء اذا اخذ، ۳:۱۸۴

(۱۳) مالک بن انسؒ، الموطا، کتاب الزکوٰۃ، باب الزکاۃ فی العین من الذہب والورق، ۱:۲۱۱،

(۱۴) ابن ابی شیبہ، مصنف ابن ابی شیبہ، باب ما قالوا فی العطاء اذا اخذ، ۳:۱۸۴۔

(۱۵) ایضاً، ۳:۱۸۵۔

(۱۶) صنعانی، مصنف عبدالرزاق، باب لاصدقۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول، ۴:۸۷، رقم:۷۰۳۲۔

(۱۷) ابن ابی شیبہ، مصنف ابن ابی شیبہ، باب ما قالوا فی العطاء اذا اخذ، ۳:۱۸۵۔

(۱۸) شیبانی، محمد بن الحسن، الموطأ، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الحلی، ص:۱۷۵، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

(۱۹) یتیم سے یہاں مراد وہ بچہ ہے جو ابھی تک نابالغ ہے چاہے اُس کا والد زندہ ہو یا نہ ہو،

دیکھئے: بنوری، سید محمد یوسف بن محمد زکریا، معارف السنن،۵: ۲۳۶۔

(۲۰) ترمذی، الجامع، کتاب الزکوۃ، باب ماجاء فی زکوۃ مال الیتیم، رقم: ۵۸۰۔

(۲۱) مالک بن انسؒ، الموطأ، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ اموال الیتامیٰ والتجارۃ لھم فیھا، رقم: ۵۲۳۔
بیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین بن علی، السُّنن الکُبریٰ، کتاب الزکوۃ، باب من تجب علیہ الصدقۃ، رقم: ۷۳۴۵۔

(۲۲) تفصیل کے لئے دیکھئے:
ابوداؤد، السنن، کتاب الحدود، باب فی المجنون یسرق أو یصیب حداً، رقم: ۳۸۲۲/ نسائی، السنن، کتاب الطلاق، باب من لایقع طلاقہ من الازواج، رقم: ۳۳۷۸/ ابن ماجہ، سنن، کتاب الطلاق، بابُ طلاق المعتوہ والصغیر والنائم، رقم: ۲۰۳۱/ ترمذی، الجامع، کتاب الزکوۃ، باب ماجاء فی زکوۃ الحلی، رقم: ۵۷۶/ احمد بن حنبل، المسند، کتاب مسند الانصار، باب حدیث السیدۃ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، رقم: ۲۳۵۵۳/ دارمی،، السنن، کتاب الحدود، باب رفع القلم عن ثلاث،

(۲۳) بیہقی، السُّنن الکُبریٰ، کتاب الزکوۃ، باب من تجب علیہ الصدقۃ، رقم: ۷۳۴۷۔
۲- ابوعبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال ص: ۴۵۲۔

(۲۴) التوبہ: ۱۰۳۔

(۲۵) التوبہ: ۶۰۔

(۲۶) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۴: ۱۵۵-۱۵۶/ جصاص، احکام القرآن، ۳: ۱۵۴-۱۵۵۔

(۲۷) ابن رشد، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، ۳: ۶۷۔

(۲۹) التوبہ: ۱۰۳۔

(۳۰) التوبہ: ۶۰۔

(۳۱) جصاص، احکام القرآن، ۳: ۱۵۶۔

(۳۲) ایضاً

(۳۳) زحیلی، الفقۃ الاسلامی وادلتہ، ۲: ۷۵۹۔

(۳۴) ترمذی، الجامعی، کتاب الزکوۃ، باب ماجاء فی زکوۃ الذہب والورق: رقم: ۵۶۳۔

(۳۵) مالک، الموطأ، کتاب الزکوۃ، باب الزکاۃ فی العین من الذہب والورق، ۱: ۲۱۲

(۳۶) مفتی محمد شفیعؒ، جواہر الفقہ، ص: ۴۲۸۔

(۳۷) زحیلی، الفقہ الاسلامی واَدِلَّتہٗ، ۲: ۷۵۹۔

(۳۸) کاسانی، بدائع الصنائع،۲: ۱۸۔

(۳۹) ابوداود، السنن کتاب الزکوٰۃ، باب فی زکوٰۃ السائمۃ، رقم: ۱۳۴۲۔

(۴۰) کاسانی، بدائع الصنائع،۲: ۱۸۔

(۴۱) ایضاً

(۴۲) مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب إثم مانع الزکوٰۃ، رقم: ۱۶۴۷۔
بیہقی، السُّنن الکُبریٰ، باب زکاۃ الذہب،۴: ۲۳۱، رقم: ۷۵۳۳۔

(۴۳) سید سابق، فقہ السنہ، ص: ۳۴۱۔

(۴۴) ترمذی، الجامع، کتاب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی زکوٰۃ الحلی، رقم: ۵۷۵۔

(۴۵) ترمذی، رقم: ۵۷۶۔
ابوداود، السنن، کتاب الزکوٰۃ، باب الکنز ماہو وزکوٰۃ الحلی، رقم: ۱۳۳۶۔
نسائی، السنن، کتاب الزکوٰۃ، باب فی زکوٰۃ الحلی، رقم: ۲۴۳۴۔

(۴۶) ابوداود، السنن، کتاب الزکوٰۃ، باب الکنز ماہو وزکوٰۃ الحلی، رقم: ۱۳۳۷۔

(۴۷) التوبہ: ۳۴-۳۵۔

(۴۸) ابوداود، السنن، کتاب الزکوٰۃ، باب الکنز ماہو وزکوٰۃ الحلی، رقم: ۱۳۳۶۔

(۴۹) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب ما أدی زکاتہ فلیس بکنز، رقم: ۱۳۱۷۔

(۵۰) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:
بیہقی، السُّنن الکُبریٰ، کتاب الزکوٰۃ، باب من قال لا زکوٰۃ فی الحلی،۴: ۲۳۲-۲۳۴۔

(۵۱) زحیلی، الفقہ الاسلامی وأدِلَّتہٗ،۳: ۸۳۳-۸۳۴۔

(۵۲) زیلعی، تبیین الحقائق، باب صدقۃ السوائم،۱: ۲۶۴۔

(۵۳) نسفی، کنز الدقائق، باب صدقۃ السوائم۔

(۵۴)، دیکھئے: فیروز آبادی، القاموس المحیط،۲: ۱۴۸۱۔
گنگوہی، محمد حنیف، معدن الحقائق، ص: ۱۹۵، دار الاشاعت کراچی۔

(۵۵) فیروز آبادی، القاموس المحیط،۲: ۱۱۱۸۔
گنگوہی، معدن الحقائق، ص: ۲۰۰۔

(۵۶) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب من بلغت عندہ صدقۃ بنت مخاض ولیست عندہٗ، رقم: ۱۳۶۱، ۱۳۶۲۔

(۵۷) تفصیل کے دیکھئے:
بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب من بلغت عندہ صدقۃ بنت مخاض ولیست عندہٗ، رقم:۱۳۶۱،۱۳۶۲/ قدوری، مختصر القدوری، باب الصدقۃ السوائم، ص:۳۷/ مرغینانی، ہدایۃ، باب الصدقۃ السوائم ۱:۱۸۸/نسفی، کنز الدقائق، باب الصدقۃ السوائم، ص:۵۶/ ابن نجیم، البحر الرائق، باب الصدقۃ السوائم، ۲:۳۷۳/ زیلعی، تبیین الحقائق، باب الصدقۃ السوائم، ۱:۲۵۸/ کاسانی، بدائع الصنائع، ۲:۲۶/ ابن عابدین، ردّ المحتار، ۲:۱۸/ زحیلی، الفقہ الاسلامی وأدِلَّتہٗ، ۸۳۷-۸۳۸۔

(۵۸) تفصیل کے ملاحظہ ہو:
بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب من بلغت عندہ صدقۃ بنت مخاض ولیست عندہٗ، رقم:۱۳۶۱، ۱۳۶۲/ ابوداود، السنن، کتاب الزکوٰۃ، باب فی زکاۃ السائمۃ، رقم:۱۳۳۹/ نسائی، السنن، کتاب الزکوٰۃ، باب فی زکاۃ الابل، رقم:۲۴۰۴/ ابن ماجہ، السنن، کتاب الزکاۃ، باب اذا اخذ المصدق سنا دون سن أو فوق سن، رقم:۱۷۹۰/ احمد بن حنبل، المسند، کتاب مسند العشرۃ المبشرین بالجنۃ، رقم:۴۴۰۵۔

(۵۹) بنوری، معارف السنن، ۵:۱۷۵، مکتبہ بنوریہ، کراچی۔

(۶۰) دارقطنی، السنن، کتاب الزکاۃ: باب زکاۃ الابل والغنم، ۲:۹۸، رقم:۱۹۶۵۔

(۶۱) ابوداود، السنن، کتاب الزکوٰۃ، باب فی زکاۃ السائمۃ، رقم:۱۳۳۹۔

(۶۲) مزید دلائل اور تفصیل کے لئے دیکھئے:
قدوری، مختصر القدوری، ص:۳۷/ مرغینانی، باب الصدقۃ السوائم ۱:۱۸۸/نسفی، کنز الدقائق، باب الصدقۃ السوائم، ص:۵۶/ ابن نجیم، البحر الرائق، باب الصدقۃ السوائم، ۲:۳۷۳-۳۷۴/ زیلعی، تبیین الحقائق، باب الصدقۃ السوائم، ۱:۲۵۸-۲۶۰۔

(۶۳) تفصیل کے لئے دیکھئے:
بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب من بلغت عندہ صدقۃ بنت مخاض ولیست عندہٗ، رقم: ۱۳۶۱،۱۳۶۲/ قدوری، مختصر القدوری، باب الصدقۃ السوائم، ص:۳۹/ مرغینانی، ہدایہ، باب الصدقۃ السوائم ۱:۱۹۰/نسفی، کنز الدقائق، باب الصدقۃ السوائم، ص:۵۸/ ابن نجیم، البحر الرائق، باب الصدقۃ السوائم، ۲:۳۷۸/ زیلعی، تبیین الحقائق، باب الصدقۃ السوائم، ۱:۲۶۳/ کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۲:۲۸/ ابن عابدین، ردّ المحتار، ۲:۲۰/ زحیلی، الفقہ الاسلامی وأدِلَّتہٗ، ۸۳۳-۸۳۴

(۶۴) نسفی، کنز الدقائق، باب صدقۃ السوائم، ص: ۹۵۔

(۶۵) تفصیل مع دلائل کے لئے دیکھئے: ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد، فتح القدیر، ۱: ۴۹۹-۵۰۰

(۶۶) بیہقی، السُّنن الکبریٰ، باب کیف فرض صدقۃ البقر، ۴: ۱۵۶، رقم: ۷۲۹۸۔

(۶۷) ترمذی، الجامع، کتاب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی زکاۃ البقر، رقم: ۶۶۵۔

(۶۸) عینی، بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد، عمدۃ القاری شرح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب لیس علی المسلم فی فرسہ صدقۃ، ۹: ۳۶، احیاء التراث، بیروت، لبنان۔

(۶۹) تفصیل کے لئے دیکھئے:
بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب لیس علی المسلم فی عبدہ صدقۃ، رقم: ۱۳۷۱۔
مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب لا زکوٰۃ علی المسلم فی عبدہ وفرسہ، رقم: ۱۶۳۲، ۱۶۳۳۔
ترمذی، الجامع، کتاب الزکوٰۃ، باب ماجاء لیس فی الخیل والرقیق صدقۃ، رقم: ۵۶۹۔

(۷۰) ترمذی، الجامع، کتاب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی زکوٰۃ الذہب والورق: رقم: ۵۶۳۔

(۷۱) بیہقی، السُّنن الکبریٰ، کتاب الزکاۃ، باب من رأی فی الخیل صدقۃ، ۴: ۲۰۲، رقم: ۷۴۱۹۔

(۷۲) دارقطنی، السنن، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوۃ مال التجارۃ وسقوطہا عن الخیل والرقیق، ۲: ۱۰۹، رقم: ۲۰۰۰۔

(۷۳) ایضاً ۲: ۱۱۰، رقم: ۲۰۰۱۔

(۷۴) کاسانی، بدائع الصنائع، ۲: ۳۴۔

(۷۵) عینی، عمدۃ القاری، کتاب الزکوٰۃ، باب لیس علی المسلم فی فرسہ صدقۃ، ۹: ۳۶۔

(۷۶) مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب اِثم مانع الزکوٰۃ، رقم: ۱۶۴۷۔
بیہقی، السُّنن الکبریٰ، باب زکاۃ الذہب، ۴: ۲۳۱، رقم: ۷۵۳۳۔

(۷۷) طحاوی، ابوجعفر احمد بن سلامۃ ازدی مصری، شرح معانی الآثار، کتاب الزکوٰۃ، باب الخیل السائمۃ ہل فیہا صدقۃ ام لا؟ ۱: ۲۶۰۔

(۷۸) ایضاً۔

(۷۹) عینی، عمدۃ القاری، کتاب الزکوٰۃ، باب لیس علی المسلم فی فرسہ صدقۃ، ۹: ۳۷۔

(۸۰) مزید تفصیل اور دلائل کے لئے دیکھئے:
نسفی، کنز الدقائق، باب الصدقۃ السوائم، ص: ۵۹/ ابن نُجیم، البحر الرائق، باب الصدقۃ السوائم، ۲: ۳۷۹/ زیلعی، تبیین الحقائق، باب الصدقۃ السوائم، ۱: ۲۶۵۔

(۸۱) کاسانی، بدائع الصنائع، ۲: ۳۰۔

(۸۲) ابوداود، السنن، کتاب الزکوۃ، باب العروض اذا کانت للتجارۃ ہل فیہا زکوۃ؟ رقم: ۱۳۳۵۔

(۸۳) زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۸۶۴-۸۶۵

(۸۴) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب العشر فیما یُسقی من مآء السمآء والمآء الجاری، ۲۰۱/۱۔

(۸۵) مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی، ص: ۱۹۱، دارالاشاعت کراچی۔

(۸۶) الفتاویٰ الہندیہ المعروف بہ الفتاویٰ العالمگیریہ، ۱: ۱۹۱۔

(۸۷) الواقعۃ: ۶۳-۷۰۔

(۸۸) ترمذی، الجامع، کتاب الزکوۃ، باب ماجاء فی صدقۃ الزرع والثمر والحبوب، رقم: ۶۶۸۔

(۸۹) وسق ایک پیمانہ ہے جو ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے۔ اوقیہ، وسق اور صاع کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: مفتی محمد شفیعؒ، جواہر الفقہ، ص: ۴۲۸، مکتبہ دارالعلوم کراچی۔

(۹۰) البقرۃ: ۲۶۷۔

(۹۱) مرغینانی، ہدایۃ، ۲۰۱/۱)۔

(۹۲) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب العشر فیما یسقی من ماء السمآء وبالمآء الجاری، رقم: ۱۳۸۸

(۹۳) عن عبدالرزاق... قال: کتب عمر بن عبدالعزیز ان یؤخذ مما انبتت الارض من قلیل او کثیر العشر، صنعانی، حافظ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام، مصنف عبدالرزاق، باب الخضر، ۴: ۱۲۱، رقم: ۷۱۹۶۔
نیز دیکھئے: ابوشیبہ، مصنف ابن ابی شیبہ، باب فی کل شئ أخرجت الارض زکاۃ، ۳: ۱۳۹۔

(۹۴) مصنف عبدالرزاق میں حضرت معمر کی روایت ہے کہ حضرت امام مجاہدؒ کا بھی یہی مسلک ہے، مصنف عبدالرزاق، باب الخضر، ۴: ۱۲۱، رقم: ۷۱۹۷۔

(۹۵) عن عبدالرزاق عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم قال: فی کل شئ انبتت الارض العشر۔ مصنف عبد الرزاق، باب الخضر، ۴: ۱۲۱، رقم: ۷۱۹۵۔
نیز دیکھئے: ابن ابی شیبہ، مصنف ابن ابی شیبہ، باب فی کل شئ أخرجت الارض زکاۃ، ۳: ۱۳۹۔

(۹۶) عن الزہری أنہ کان لا یوقت فی الثمر شیئا وقال: العشر ونصف العشر، مصنف ابن ابی شیبہ، باب فی کل شئ أخرجت الارض زکاۃ، ۳: ۱۳۹۔

(۹۷) بغوی، محمد حسین بن مسعود، شرح السنہ، ۳: ۳۴۴، دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۲/بیہقی، السنن الکبریٰ، کتاب الزکاۃ، باب لاتوخذ صدقۃ شئ من الشجر غیر النخل والعنب، ۴: ۲۱۰، رقم: ۷۴۵۱۔

(۹۸) ترمذی، الجامع، کتاب الزکوۃ، باب ماجاء فی الخرص، رقم: ۵۸۳۔
ابوداود، السنن، کتاب الزکوۃ، باب فی الخرص العنب، رقم: ۱۳۶۶۔

(۹۹) ترمذی، الجامع، کتاب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی زکوٰۃ العسل رقم: ۵۷۰۔

(۱۰۰) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: بنوری، سید محمد یوسف بن محمد زکریا، معارف السنن، ۵: ۲۱۶-۲۱۸، مکتبہ بنوریہ، کراچی۔

(۱۰۱) ابنِ ماجہ، السنن، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ العسل، رقم: ۱۸۱۳۔

(۱۰۲) ایضاً، باب زکوٰۃ العسل، رقم: ۱۸۱۴۔

(۱۰۳) بیہقی، السُّنن الکُبریٰ، کتاب الزکوٰۃ، باب ماورد فی العسل، رقم: ۷۴۵۹۔

(۱۰۴) ابن قُدامہ، المُغنی، ۲: ۱۳:۷۔

(۱۰۵) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب فی الرکاز الخمس، رقم: ۱۴۰۳۔

(۱۰۶) احمد بن حنبل، المسند، کتاب باقی مسند المکثرین، مسند انس بن مالک، رقم: ۱۱۸۵۰۔

(۱۰۷) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب فی الرکاز الخمس۔

(۱۰۸) ابنِ منظور، لسان العرب، ۷: ۲۲۳۔

(۱۰۹) عینی، عمدۃ القاری، ۹: ۱۰۰۔

(۱۱۰) ابوعبید، کتاب الاموال، ص: ۲۴۰-۲۴۱۔

(۱۱۱) ایضاً۔

(۱۱۲) ایضاً۔

(۱۱۳) عینی، عمدۃ القاری، باب فی الرکاز الخمس، ۹: ۱۰۳۔